دنیا کا مستقبل

اسلام

خرم مرادؒ

دنیا کا مستقبل - اسلام

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

عالم کا مستقبل اسلام ہے!

اگر کل یہ ایک خواب تھا، تو آج یہ بات عیاں ہے کہ اس خواب کے حقیقت بن جانے کی گھڑی بہت قریب آ گئی ہے۔ کب؟ اس کا علم تو اسی وحدہٗ لاشریک کے پاس ہے، جس کے دستِ قدرت میں آسمان سے زمین تک ہر امر کی باگ ہے: قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ (الاعراف:۱۸۷)، ''کہو اس کا علم تو صرف اللہ کو ہے''۔ لیکن جس کی نگاہیں تاریخ کے باطن میں جھانک سکتی ہیں اور جو نبوت محمدیؐ کا مزاج آشنا ہے، وہ جانتا ہے کہ یہ گھڑی: ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الاعراف:۱۸۷) ''آسمان اور زمین اس سے بوجھل ہیں'' کا مصداق بن چکی ہے۔

امید کا راستہ

اس لیے کہ یہ نبوت محمدیؐ کا ناگزیر تقاضا ہے اور اس کا ظہور پذیر ہونا اٹل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمیع انسانوں کی طرف، سارے عالموں کے لیے اور رہتی دنیا تک کے لیے

رسول، نذیر اور رحمت ہیں۔ اور ''اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے''۔ (المجادلہ: ۲۱) وقت لگ سکتا ہے، مگر نوشتہ الٰہی ٹل نہیں سکتا۔

اس لیے بھی کہ نبوت محمدیؐ کا مشن روز اوّل ہی سے عالمی انقلاب کی منزل رہا ہے۔ ہجرتِ مدینہ کے پُرخطر سفر کی بے سروسامانی کے عالم میں سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسریٰ [اقتدار کا خاتمہ: ۶۵۱] کے کنگنوں کی بشارت ہو، یا غزوۂ احزاب [۵ ہجری] کے لیے خندق کھودتے ہوئے روم و ایران اور شام و یمن کی فتوحات کی نوید، شاہانِ عالم کی طرف قبولِ اسلام کے دعوت نامے ہوں یا سلطنت روما سے جنگ کے لیے [۹ ہجری میں] تبوک کا سفر ــــــ یہ سب اسی مشن کی آرزو، جستجو اور تکمیل کے مظاہر ہیں۔

اس لیے بھی کہ حضوؐر کے بعد آپؐ کے مشن کی امانت، آپؐ کی اُمت کے سپرد ہے۔ اسی لیے اس اُمت کو اپنے لیے نہیں، بلکہ ساری انسانیت کے لیے بنایا گیا ہے (اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ)، بہترین اُمت (خَيْرَ اُمَّةٍ) قرار دیا گیا ہے۔ رسولؐ کے بعد، رسولؐ کی طرح، انسانوں کے سامنے گواہ بنایا گیا ہے (لِتَكُونُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ - البقرہ: ۱۴۳) اور اللہ کی خاطر قسط و عدل قائم کرنے (قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ - النسآء: ۱۳۵) کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا عصرِ حاضر میں کارِ رسالت، اُمت مسلمہ کے ہاتھوں ہی انجام پانا ہے۔ وہ لوگ انجام دیں، جن پر آج اُمت مشتمل ہے یا اللہ تعالیٰ اُمت میں نیا خون داخل کرے اور ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے، یہ کام بہرحال انجام پانا ہے۔

ادھر خود عصرِ حاضر کی روح مضطرب اور بے تاب ہے کہ شرع پیغمبرؐ آشکارا اور غالب ہو۔ مغرب نے انسان کی بلوغت اور خودمختاری کا اعلان کیا، اس کو کسی بھی بالاتر اور بالخصوص خدائی ہدایت سے مستغنی قرار دیا، خدا کو عام انسانی زندگی سے بے دخل کیا ــــــ گویا انسان کو انسان کا خدا بنا دیا ــــــ اور بڑی محنت سے ایک نیا عالم تشکیل دیا۔ لیکن دو صدیاں بھی نہیں گزرنے پائی ہیں کہ آج وہ عالم پیر مر رہا ہے اور انسان بے چینی سے ایک جہانِ نو کی پیدائش کا انتظار کر رہا ہے۔

خدا سے بے تعلق ہو جانے کے بعد، انسان نے اپنی زندگی کو اور خدا کی زمین کو فساد اور خوں ریزی سے بھر دیا ہے۔ روز نت نئی خواہشات کی طلب ہے، ہر طلب میں روز بروز اضافہ ہے، ہر چیز کو زیادہ سے زیادہ ہونا چاہیے اور جو کچھ چاہیے وہ جلد از جلد ملنا چاہیے۔ انسان ہوں یا

ٹکنالوجی، زمین ہو یا کائنات، ہر چیز صرف خواہشات پوری کرنے کا ذریعہ بن گئی ہے۔ ہر سینے میں لالچ وحسد کی آگ جل رہی ہے۔ خدا کو بھول کر انسان خود اپنی بھلائی سے غافل ہو گیا ہے۔

زمین کے فاصلے سکڑتے جا رہے ہیں، مگر انسانوں کے درمیان نفرت اور لاتعلقی کی ناقابلِ عبور خلیجیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ بیسویں صدی انسانی تاریخ کی سب سے زیادہ خونیں صدی ہے۔ پہلی جنگِ عظیم میں ۸۵ لاکھ، دوسری جنگِ عظیم میں پانچ کروڑ سے زیادہ، کوریا اور ویت نام [میں ۱۴ لاکھ] جیسی مقامی جنگوں میں، انسانی جبر واستبداد کے ہاتھوں اور رنگ ونسل کے خداؤں کی چوکھٹ پر، ان سے بھی کہیں زیادہ انسان موت کے گھاٹ اُتارے گئے ہیں۔ ان سے کئی گنا زیادہ تعداد اپاہج بنائی گئی ہے۔

سماجی بحران

انسان تاریخ میں پہلی دفعہ ایسے ہتھیاروں سے لیس ہے کہ ایک بٹن دبا کر پوری نسلِ انسانی کو چشم زدن میں ہلاک کر سکتا ہے۔ خاندانی زندگی اس طرح ٹوٹ پھوٹ گئی ہے کہ صرف برطانیہ میں ایک تہائی بچے شادی کے بغیر ناجائز پیدا ہو رہے ہیں، ۲۰ فی صد بچوں کا خاندانوں میں کوئی باپ نہیں ہے، آدھی عورتیں شادی سے پہلے اپنے شوہروں سے جنسی تعلقات قائم کر چکی ہوتی ہیں، ہر دوسری شادی کا انجام طلاق ہوتا ہے۔ بچوں اور نوجوانوں میں سنگین جرائم میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

جدید بنک کاری کا نظام، جس کے بل پر معاشی ترقی قائم ہے، ایک بلبلے کی طرح ہے۔ آج جس بنک کے دروازے پر بھی سارے کھاتے دار اپنی رقم واپس مانگنے پہنچ جائیں، اس بنک کا دیوالیہ نکل جائے گا۔ بظاہر انتہائی مضبوط سیاسی اور ریاستی نظاموں میں بھی، سیاسی لیڈروں سے ایک عام مایوسی اور بداعتمادی پیدا ہو چکی ہے۔ اپنی خواہشوں کی بے لگام تکمیل کی دھن میں دنیا کے ماحول کو ایسا زبردست نقصان پہنچ رہا ہے، جو عین ممکن ہے ناقابلِ تلافی اور تباہ کن ثابت ہو۔

دورِ جدید کے انسان کے اُوپر ایسے بے شمار مسائل کا اتنا بھاری بوجھ ہے کہ کوئی تنکا بھی اس کی کمر توڑ سکتا ہے۔ ان مسائل کی جڑ خدا بیزار تہذیب ہے اور انسانی زندگی میں جب خدا کا خانہ خالی ہوتا ہے تو اس میں بے شمار جھوٹے خدا براجمان ہو جاتے ہیں۔ پہلے یہ جھوٹے خدا بھی

مافوق الانسانی صفات کے حامل سمجھے جاتے تھے اور خدائے واحد کی قربت کا ذریعہ بھی۔ اب انسان نے اتفاق (Chance)، قانونِ قدرت، ذرائع پیداوار، جنس، سوسائٹی، کلچر، ٹکنالوجی، نسل، رنگ، قوم اور وطن جیسے بہرے، گونگے، بے جان بتانِ نو کو اپنے مقدر کا مالک سمجھ لیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ روز بروز وہ تباہی کے گہرے سے گہرے گڑھے میں گرتا جا رہا ہے۔

اس سے نجات کی راہ صرف خدائے واحد ہی کو خدا اور رب ماننے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اسی سے وحدت انسان اور امن وسلامتی کی نعمتیں اس کو نصیب ہوں گی۔ اس لیے یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ اب غلبۂ اسلام کے بغیر عالم کا کوئی مستقبل نہیں۔

جہانِ نو کا ایک پہلو

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ خود مغرب، جو اس دورِ جدید کا معمار ہے، اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کا دور اب عالمِ پیر بن کر موت کے کنارے پہنچ چکا ہے اور انسانیت ایک جہانِ نو کی تعمیر کے بغیر بچ نہیں سکتی۔ بڑے زور وشور سے "نیو ورلڈ آرڈر" (نئے عالمی نظام) کا نعرہ، مغرب کے اس اعتراف کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے۔

۱۱ ستمبر، ۱۹۹۰ کو امریکی کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے امریکا کے صدر جارج بش نے کہا تھا: "ہم آج ایک منفرد اور غیر معمولی تاریخی لمحے کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ خلیج کا بحران بلاشبہہ بہت خطرناک اور گمبھیر بحران ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک نادر موقع بھی فراہم کر رہا ہے...... ان آفت زدہ ایام کے غبار سے ہمارا پانچواں مقصد برآمد ہوسکتا ہے ـــــ یعنی ایک نیا عالمی نظام......" اور ۶ مارچ، ۱۹۹۱ کو یک طرفہ خلیجی جنگ میں کامیابی کے فوراً بعد امریکا کے صدر بش نے دعویٰ کیا تھا: "اب ہم ایک نئی دنیا کو اپنی آنکھوں کے سامنے اُبھرتا دیکھ رہے ہیں"۔ اگست ۱۹۹۰ء سے مارچ ۱۹۹۱ء تک، صدر جارج بش نے ۴۲ بار اپنے بیانات اور تقاریر میں پورے زور وشور سے اس جہانِ نو کی "تعمیر" کو مستقبل کی امریکی پالیسی کی اساس قرار دیا۔

مغرب اس نئی دنیا کی تعبیر بڑے خوش نما الفاظ میں کر رہا ہے۔ امریکی صدر کے الفاظ میں: "ایک ایسا نیا دور، جو طاقت کے استعمال کے خطرات سے پاک ہو، جو انصاف کے قیام کے لیے قوی اور توانا ہو اور جس میں امن وسلامتی کا حصول زیادہ ممکن ہو"۔ بظاہر تو مغربی لیڈر اور دانش ور

کہتے ہیں کہ یہ نئی دنیا اس لیے ناگزیر ہوگئی ہے کہ یورپ نے اقوامِ عالم کے درمیان تعلقات کا جو نظام بنایا تھا، وہ ٹوٹ پھوٹ چکا ہے، نظریاتی کش مکش بھی ختم ہو چکی ہے، قومی ریاست بھی مائل بہ زوال ہے، کمیونزم بھی شکست کھا چکا ہے۔ ایٹمی اسلحہ اور عسکری طاقت کے استعمال کا رجحان بڑھ رہا ہے اور اس طرح امنِ عالم مسلسل تہ و بالا ہونے کے خطرے کی زد میں ہے۔

لیکن مغرب خوب جانتا ہے کہ اصل بات یہ نہیں، بلکہ انسان جہانِ نو کا ضرورت مند اس لیے ہے کہ مغرب کی بے خدا تہذیب اور اس کی عالمی قیادت اندر سے کھوکھلی ہو چکی ہے اور اس کی کوکھ سے اب انسان کے لیے دکھ، الم اور تباہی کے علاوہ اور کچھ برآمد ہونے والا نہیں۔ اگر ۱۹۱۴ سے امنِ عالم بار بار تہہ و بالا ہو رہا ہے، تو وہ بھی اسی تہذیب کی وجہ سے۔ چنانچہ اب انسان کو امن و انصاف حاصل ہو سکتا ہے تو صرف ایک ایسی تہذیب ہی سے، جو خدائے واحد کی بندگی پر قائم ہو۔

ہفت روزہ اکانومسٹ کے الفاظ میں:

> مستقبل میں اگر کوئی تاریخ ساز واقعہ رونما ہوگا، تو غالباً ان امور کے گرد جو غیب میں ہیں اور جن کے علم بردار اسلامی بنیاد پرست ہیں۔(۱)

اس لیے جہانِ نو کی تعمیر و قیادت کے لیے اصل کش مکش مغرب اور اسلام کی اس خدا پرستانہ تہذیب کے درمیان ہوگی، جو ہزار سال تک دنیا پر غالب رہی اور تہذیبوں کے اس تصادم میں مغرب کی عالمی قیادت داؤ پر لگی ہوگی۔ ہمیں اتفاق اس بات سے ہے کہ مغرب کی لبرل ڈیموکریسی کی تاریخ ختم ہونے پر آگئی ہے، لیکن اب تاریخ کا ایک نیا دور ہوگا، جو اسلام کا دور ہوگا۔

مغرب کے سیاست داں اور دانش ور مستقبل کے پردے میں پنہاں اس تہذیبی کش مکش کے امکان سے خوب آگاہ ہیں اور اس کے لیے پوری تیاری کر رہے ہیں۔

مغربی ذہن کا خود ساختہ خوف

ایک طرف اس کا اظہار بعض دانش وروں کی حالیہ کتابوں اور مضامین کے انتہا پسند عنوانات سے ہوتا ہے: • اسلام کی تلوار • اسلام کا خنجر • جارحیت پسند اسلام • اسلام کا غیظ و غضب • مسلمان آرہے ہیں • ساتویں صدی

(۱) ہفت روزہ اکانومسٹ، لندن، ۶ اگست ۱۹۹۴ء

کے بعد اسلام پھر یلغار کر رہا ہے، وغیرہ وغیرہ

دوسری طرف سیاست دانوں اور لکھنے والوں کے اعلانات یہ ہیں:

بخانن (Buchanan) لکھتا ہے:

ہزار سال تک، انسانیت کے مستقبل کے لیے کش مکش اسلام اور عیسائیت کے درمیان رہی ہے۔ اکیسویں صدی میں پھر یہی ہوسکتا ہے (۲)

مرفی (Murphy) کے الفاظ میں:

سرد جنگ کے بعد اگر مسلم دنیا تصادم کی نئی سرحد بنتی جارہی ہے، تو بات یہ نہیں کہ ان سے کسی جنگ یا دہشت گردی کا خطرہ ہے بلکہ ان کا چیلنج کہیں زیادہ بنیادی ہے۔ وہ روز بروز بڑھتی ہوئی سماجی اور سیاسی قوت ہیں، جو مغرب کے مسلمہ تصورات پر حملہ آور ہیں: مثلاً ترقی کے معنی، خدا اور انسان کا تعلق اور انسانی زندگی میں ٹکنالوجی، صنعت کاری اور اخلاق کا مقام (۳)

مشہور یہودی مستشرق برنارڈ لیوس (Lewis) کی رائے میں:

یہ اب واضح ہونا چاہیے کہ ہمیں ایک ایسی تحریک اور رویہ کا سامنا ہے، جو مسائل اور ان پر کاربند حکومتوں کے ساتھ اختلاف کی سطح سے آگے جاچکا ہے۔ اب تو تہذیبوں کے تصادم سے کم کوئی چیز سامنے نہیں! یہ ایک دیرینہ حریف کا تاریخی ردعمل ہے، ہمارے یہودی/عیسائی ماضی کے، ہمارے لادینی حال کے اور دونوں کی عالمی توسیع کے خلاف (۴)

سیاست داں بھی کم صاف گو نہیں۔ سابق امریکی صدر، رچرڈ ایم نکسن [م: ۲۲ اپریل ۱۹۹۴] نے اپنے مضمون میں کہا تھا:

روس اور امریکا کو اپنے تمام اختلافات کے باوجود، اسلامی بنیاد پرستی کا مقابلہ کرنے کے لیے باہمی تعاون کرنا چاہیے (۵)

---

(۲) نیو ہیمپ شائر سنڈے نیوز، ۲۰ اگست ۱۹۸۹

(۳) لاس اینجلز ٹائم، ۶ اپریل ۱۹۹۴

(۴) ماہنامہ دی اٹلانٹک، اکتوبر ۱۹۹۱

(۵) فارن افیئرز، ۱۹۸۵

سابق نائب صدر، ڈان کوئیل نے اسلامی بنیاد پرستی کے خطرے کو نازی ازم اور کمیونزم کے خطرے کے برابر قرار دیا۔ سابق امریکی صدر [۸۹-۱۹۸۱] رونالڈ ریگن [م: ۱۷ جون ۲۰۰۴] نے اپنی خودنوشت میں لکھا ہے:

> اسلامی بنیاد پرستی، جو لبرل سیکولر حکومتوں کی دشمن ہے، دراصل اسلامی نظام کی علم بردار ہے——وہ اپنے پیروکاروں کو یہ سکھاتی ہے کہ وہ مخالف قوتوں سے لڑتے ہوئے مارے گئے تو شہید ہوں گے اور سیدھے باغ عدن میں جائیں گے —— اگر اسلامی بنیاد پرستی کو عروج نصیب ہوگیا تو دنیا صدیوں پرانی رجعت پسندی سے دوچار ہو جائے گی۔ خصوصاً اگر ایٹمی اور کیمیائی اسلحہ ان مشتعل مزاج عناصر کے ہاتھ لگ گیا اور انھوں نے اسے اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کرنا سیکھ لیا۔(۶)

''نئے عالمی نظام'' کی حسین امریکی تصویر کے پیچھے اس کے اصل خدوخال بھی کوئی ڈھکے چھپے نہیں:

۱- دنیا کے تمام ملکوں کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ امریکا دنیا کی واحد عالمی طاقت ہے۔ امریکا کا یہ ہدف ہوگا کہ وہ اپنے اس مقام کو برقرار رکھ سکے۔

۲- مغرب کے لبرل ڈیموکریسی اور منڈی کی معیشت جیسے تہذیبی تصورات کی حتمی فتح کے بعد، تاریخ نے اپنی منزل پالی ہے۔ اب دنیا کے ہر ملک کو انھی کو اختیار کرنا ہوگا۔

۳- اب کسی بھی ملک کو، خصوصاً کسی مسلمان ملک کو، یہ موقع نہیں ملنا چاہیے کہ وہ بالاتر سیاسی قوت کی حیثیت سے اُبھر سکے۔

۴- تیسری دنیا میں، خصوصاً خلیج فارس میں امریکی مفادات کا ہر قیمت پر تحفظ کیا جائے گا۔

۵- پوری دنیا میں احیائے اسلام کی تحریکوں کی مخالفت کی جائے گی۔

بظاہر وقت کا دھارا جس رخ پہ بہہ رہا ہے، اسے دیکھ کر یہ کہنے میں کوئی تعجب نہیں کہ

۶- رونالڈ ریگن: An American Life

آنے والی اکیسویں صدی کا نام ”امریکی صدی“ (American Century) رکھا جا رہا ہے۔ ایک برطانوی مقالہ نگار ڈیوڈ مارکوانڈ (Marquand) کے الفاظ میں: ”جس نئے عالمی نظام کی دھوم ہے، وہ صرف امریکی نظام (Pan American) ہی ہوتا نظر آ رہا ہے۔“ (روزنامہ گارجین، لندن) اور ایک امریکن مقالہ نگار بڑے فخر سے کہتا ہے: ”اس نظام میں امریکا کی حیثیت وہی ہوگی، جو قرونِ وسطیٰ کے جاگیردارانہ معاشرے میں بادشاہ کی ہوتی تھی۔“ (نیشنل ریویو)

مسلم دنیا کی حالت زار

بظاہر، اُمت مسلمہ اور مسلمان ملکوں کا ترقی یافتہ مغرب اور امریکا سے کیا مقابلہ! نہ عسکری قوت اور اسلحہ میں دونوں میں کوئی تناسب اور مقابلہ ہے، نہ دولت اور معیشت میں، نہ علم اور تحقیق میں، نہ سائنس اور ٹکنالوجی میں، نہ دنیا چلانے کی مہارت وصلاحیت میں۔ ہمارے اوپر ان کا غلبہ مکمل ہے۔ ہمارے حکمرانوں کو وہ اٹھاتے بٹھاتے ہیں، ہماری فوجیں اسلحہ کے لیے مکمل طور پر ان کی دستِ نگر ہیں۔ ہماری حکومتیں اور ان کے معاشی ترقی کے پروگرام ان کے قرضوں سے چلتے ہیں۔ معاشی ترقی کے تصورات اور ماڈل، اور اس کو جانچنے کے پیمانے بھی انھی کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلتے ہیں، کیونکہ ہم نے ان سے قرض لیے ہیں۔ ہمارے بچے ان کی وضع کردہ تعلیم حاصل کرتے ہیں، بلکہ بکثرت انھی کی زبان میں کرتے ہیں۔ ہمارا میڈیا ان کی فراہم کردہ خبریں اور پروگرام نشر کرتا ہے۔ ہمارے ادارے، دستور، پارلیمنٹ، بنک، مارکیٹ، کارخانے، اسکول، یونی ورسٹیاں، سب ان کے تصورات اور نقشے کے مطابق بنے ہیں۔ یہاں تک کہ پینے کے لیے ہر جگہ ان کے کوکا کولا، پیپسی کولا اور پہناوے میں جین کا ہی غلبہ ہے۔

دوسری طرف ہم اندر سے بے انتہا کمزور ہیں۔ دل مقصد، آرزو و جستجو، ذوقِ عمل اور نشاطِ کار سے خالی ہیں۔ اخلاق و کردار پست ہو چکے ہیں۔ اُمت کا جسد تفرقہ اور انتشار کا شکار ہے۔ سماجی بندھن ڈھیلے ہو رہے ہیں۔ رشوت اور بدعنوانی دیمک کی طرح چاٹ گئی ہے۔ ہم اپنا سیاسی نظام چلانے سے اور بحسن و خوبی اپنے ملک کا انتظام و انصرام کرنے سے عاجز ہیں۔ ہمارے حکمراں پیر تسمہ پا کی طرح ہماری گردنوں پر مسلط ہیں۔ نہ ہم ان کی گرفت سے اپنے کو چھڑا سکتے ہیں، نہ انھیں ہمارے علاوہ کوئی ملتا ہے، جس کے اوپر وہ اپنا شوق فرماں روائی پورا کریں۔

عام مسلمان عزت وشرف کے تحفظ سے، بنیادی حقوق سے، امن وچین سے محروم ہیں۔ ان کی، اللہ کی بخشی ہوئی، صلاحیتیں ضائع جارہی ہیں۔

تیسری طرف امریکا ہماری رہی سہی قوت کو ختم کرنے کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں تیزی سے مشغول ہے۔ مشرق وسطیٰ کا بندوبست وہ کرچکا ہے۔ کیمپ ڈیوڈ کے ذریعے مصر کا بندوبست کیا، ایران/عراق جنگ سے ایران کو کنارے لگایا، عراق کو کویت سے لڑایا، اسی بہانے سعودی عرب اور کویت کی دولت کو اپنے پاس رہن کرلیا۔ (۱۹۹۱ء کی خلیجی جنگ میں عربوں کے اخراجات کا اندازہ ۶۵۰ ارب ڈالر ہے)، یاسر عرفات کو اسرائیل کے دوش بدوش کھڑا کیا۔ اب اُردن، شام اور دیگر عرب ممالک بھی یہی کرنے والے ہیں۔ ترکی پہلے ہی دام میں ہے۔ پاکستان کو بھی چارا ڈالا جاتا ہے۔ ایران اور سوڈان کے گرد بھی جال بُنا گیا۔ وسطی ایشیا کے مسلم ملکوں کو سنبھلنے ہی نہیں دیا جارہا ہے۔

کمزور اُمت سے خوف کیوں؟

جب اُمت مسلمہ کا حال اتنا زبوں ہے، تو پھر ہماری بربادی کے مشورے اتنے زور وشور سے ان کے ایوانوں میں کیوں ہیں؟

گربہ کشتن روز اوّل کی پالیسی بھی ایک وجہ ہے۔ لیکن جو خطرہ مغرب کے کارفرماؤں کو یقین دلا رہا ہے: مستقبل کا "فتنہ" فتنۂ اسلام ہے، جس کی آج ہی سے سرکوبی ضروری ہے اور اس کی محرک احیائے اسلام کی عالمی لہر ہے ___ دنیا کا ہر پانچواں آدمی مسلمان ہے اور دنیا کے گوشے گوشے میں اسلامی تحریکات اس انبوہ عظیم کو اسی راستے کی طرف دوبارہ لے جارہی ہیں، جس میں اس کی زندگی کا سامان ہے (دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ الانفال: ۲۴) ___ وہ "خطرہ" خود مغرب کے قلب میں اُمت کی روز بروز بڑھتی ہوئی طاقت ہے۔

مغرب کے پنجے سے نکلنے کا راستہ کیسے بنے گا؟ بظاہر مغرب کا تسلط مکمل ہے اور ان کی چالیں کامیاب۔ لیکن مغرب کی کشتی خود بھنور میں پھنسی ہوئی ہے اور مغرب کو اس کا پورا احساس ہے۔ وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ (آل عمران: ۵۴) (انھوں نے اپنی تدبیریں کیں، اللہ نے اپنی)

کا وعدہ پورا ہونے کا جب وقت آئے گا، تو ان شاء اللہ اسی بھنور میں سے جہانِ نو کی پیدائش کا سامان ہوگا ۔

ہوائیں ان کی، فضائیں ان کی، سمندر ان کے، جہاز ان کے
گرہ بھنور کی کھلے تو کیوں کر؟ بھنور ہے تقدیر کا بہانہ

پہلا چیلنج

یہ ہے کہ کیا ہم آج کے ''منفرد اور غیر معمولی تاریخی لمحے'' کے چیلنج کا ادراک رکھتے ہیں اور اس سے عہدہ برآ ہونے کی سعی کر رہے ہیں؟

ہماری رائے میں، اس چیلنج کے چند اہم پہلوؤں کا ذکر یہاں ضروری ہے۔

مسلم اُمت اور اسلامی تحریکات کے سامنے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے، کہ وہ انسانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو، جو بحد استطاعت صالحیت وصلاحیت کے حامل ہوں، مستقبل کے لیے جدوجہد کی خاطر کھڑا کر دیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت وہدایت کے بعد، کامیابی کے لیے سب سے زیادہ ضرورت انسانوں کی ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں مسلمان اور اسلامی تحریکات انسانوں تک پہنچنے میں، ان کو اپنے ساتھ لے کر چلنے میں، ساتھ چلنے والوں کا تزکیہ اور ان کو باصلاحیت بنانے میں تاحال کامیاب نہیں ہوسکیں۔ وہ عام انسانوں کی تعلیم وتربیت کرنے اور ان میں شریعت کا بار اٹھانے کی استعداد پیدا کرنے میں، اُمت مسلمہ میں ہی سے نہیں ہر انسانی معاشرہ میں سے صلاح وخیر کی وہ آخری رمق حاصل کر لینے میں، جو ظلم وفساد ختم کر کے نظام حق وقسط قائم کرنے کے کام آسکے، اور دستیاب انسانی وسائل کا صحیح اور بھرپور استعمال کرنے میں کماحقہٗ کامیاب نہیں ہیں۔ اس اہم ترین چیلنج کے بارے میں بہت کچھ سوچنا اور بہت کچھ کرنا ضروری ہے۔

اس چیلنج کا جواب دیے بغیر، حکمت عملی اور تدبیر کار کے بارے میں اکثر بحثیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں، گھوڑے کے آگے گاڑی باندھنے کے مترادف ہیں: انقلاب یا اصلاح، پہلے معاشرہ یا پہلے سیاسی جدوجہد، انتخابات یا جدوجہد وغیرہ وغیرہ۔ جو حکمتِ عملی بھی اختیار کریں، انسان درکار ہوں گے، ان کا صحیح اور بھرپور استعمال ضروری ہوگا۔ ووٹ دینا ہوگا تو انسان دیں گے، سڑکوں پر آنا ہوگا تو انسان آئیں گے اور لڑنا ہوگا تو انسان لڑیں گے۔ کیونکہ ہم انسانوں کی

مطلوبہ تعداد کو ساتھ لے کر چلنے میں کامیاب نہیں، اس لیے ان لاحاصل بحثوں سے دل بہلاتے رہتے ہیں۔ ایک دفعہ انسان فراہم ہو جائیں گے، تو جو تدبیر اختیار کریں گے اس کے لیے درکار دیگر وسائل بھی فراہم ہو جائیں گے۔ تدبیر وہی اختیار کرنا ہو گی، جو زمانے میں رائج ہو، الّا یہ کہ حکمِ الٰہی کے خلاف ہو، یا یہ کہ ہم اجتہاد سے نئی راہیں کھولیں۔

یہ تصور بھی صحیح نہیں کہ انبیا علیہم السلام کا کوئی لگا بندھا طریق کار رہا ہے۔ اگر کوئی لگا بندھا طریق کار رہا ہے، تو وہ بس دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تزکیہ کے ذریعے لوگوں کے دل اور زندگی بدلنے اور جدوجہد کرنے کا رہا ہے۔ دعوت و تبلیغ، تعلیم و تزکیہ اور جدوجہد کے لیے موزوں تدابیر، وہ بھی اپنے حالات کے لحاظ سے اختیار کرتے رہے، ہم بھی کر سکتے ہیں۔

یہ تصور بھی صحیح نہیں کہ آج کوئی دور بالکل مکی یا مدنی دور کی طرح ہو سکتا ہے۔ ہر دور منفرد بھی ہوتا ہے اور متشابہ بھی۔ یہ انسانی عقل کا امتحان ہے کہ وہ اپنے دور کو سمجھے، اپنے معاشرے کو سمجھے اور قرآن مجید، اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ انبیا علیہم السلام کی روشنی میں اپنے لیے راہِ عمل متعین کرے، لیکن ہر راہِ عمل کا مقصد انسانوں کو جمع کرنا، ان کو قوت بنانا اور ان کے ذریعے جدوجہد کرنا ہی ہونا چاہیے۔

انسانوں کو ساتھ لینا ہو تو چند اصول ملحوظ رکھنا ناگزیر ہے:

۱- یہ یقین ضروری ہے کہ ہر انسان بدل سکتا ہے، ہر بدکار، نیکوکار بن سکتا ہے، ہر کافر مسلمان ہو سکتا ہے، ہر مخالف ساتھ آ سکتا ہے۔ جب تک کوئی، اتمامِ حجت ہونے کے بعد (جس کا تعین کرنا بہت مشکل ہے) انکار نہ کر دے، اس کی اصلاح سے مایوس ہونا جائز نہیں۔

۲- یہ کہ ہر انسان کو خالق نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے، اس میں روح پھونکی ہے، اس کے اندر بے پناہ صلاحیتیں اور ترقی کے بے پناہ امکانات رکھے ہیں۔ انسان کو حقیر نہ سمجھنا، اس کی کمزوریوں سے زیادہ اس کی خوبیوں پر نظر رکھنا، اس کی قدر کرنا، یہ اس راہ میں مطلوب ہے۔

۳- یہ کہ جو انسان بدلیں گے اور ساتھ آئیں گے، وہ کبھی سرتاپا ہمارے کلاسیکی پیمانوں پر پورا نہیں اتریں گے، نہ وہ ہماری ساری توقعات ہی پوری کریں گے، جو مزاج اور

خیال کا اختلاف برداشت نہیں کر سکتے، یا انسانوں کے ضعف، کوتاہیوں، گناہوں اور لغزشوں کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں، ان کے لیے انسانوں کو ساتھ لے کر چلنا بہت مشکل ہے۔ انسان سب ایک خیال کے نہیں ہو سکتے، سب کسی ایک معیار پر پورے نہیں اتر سکتے۔ جو جتنا آئے، جتنا کرے، اسے قبول کر کے اس کو بہتر سے بہتر بنانا ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ رہا ہے۔

۴- یہ کہ انسان کی زندگی کی کنجی اس کا دل ہے۔ دل کے قفل کھل جائیں گے، اصلاح کے راستے کھل جائیں گے۔ دل دیکھنے لگے گا، آنکھیں دیکھنے لگیں گی۔ دل کا مرض شفایاب ہوگا، اخلاق واعمال اور معاشرے صحت مند ہو جائیں گے۔

۵- یہ کہ بہت تھوڑے انسانوں کے دل نظریہ، تقریر، یا کتاب سے جیتے اور فتح کیے جا سکتے ہیں۔ اصل فاتح عالم محبت ہے، دل کی نرمی ہے، گفتگو کرنے کی شیرینی ہے، اخلاق کا حُسن و جمال ہے، فیاضی اور سخاوت ہے، عفوو درگزر ہے، غصہ، حسد اور کینہ وغیرہ سے پاک دل ہے۔

انسانوں کو ساتھ لینے اور ساتھ رکھنے کے لیے دین کے چند اور بنیادی اصول سیکھ کر ان پر کاربند رہنا بھی ضروری ہے۔ دین یسر ہے: آسان دین کو مشکل اور تنگ نہ بنانا، طبیعتوں کو دین کی طرف مائل کرنا، متنفر نہ کرنا، ضعیف انسان کے اُوپر بوجھ ہلکے کرنا، اس پر استعداد سے زیادہ بوجھ نہ رکھنا، مطالبات دین پیش کرنے میں تدریج اختیار کرنا، غلو، تشدد اور تعمق سے اجتناب کرنا کہ ان سے انحراف پیدا ہوتا ہے ـــــ یہ تیسیر دین کے چند پہلو ہیں۔ اعمال کو ان کے اصل مدارج پر قائم رکھنا، فرض کو فرض کی جگہ اور مباح کو مباح کی جگہ رکھنا۔ مباح اور حلال کو حرام نہ کرنا، نفل کو فرض کا درجہ نہ دینا، اپنے اجتہاد کو اور فہم کو منشائے الٰہی یا نصوص کا درجہ نہ دینا، ایک کام کرنے کے دو طریقے ہوں تو آسان طریقہ اختیار کرنا ـــــ یہ بھی اس زمرے میں آتے ہیں۔

وسیع پیمانے پر عامۃ المسلمین کی دینی اور اخلاقی تعلیم اور تربیت کے بغیر معاشرے میں یہ استعداد نہ پیدا ہوگی کہ اس پر احکامِ الٰہی نافذ کیے جا سکیں اور نہ عام لوگ دین کی نصرت میں اپنا حصہ ڈالنے کے لیے آگے بڑھیں گے۔ چنانچہ اس تعلیم و تربیت کے لیے کثرت سے مؤثر اقدامات کرنا ضروری ہیں۔

دوسرا چیلنج

یہ کہ ہمیں مستقبل اپنا بنانے کے لیے، اس انتہائی تیز رفتاری سے بدلتے ہوئے زمانے پر اپنی گرفت قائم کرنا ہے۔ اس تبدیلی کی باگ ڈور بھی ہمارے ہاتھ میں نہیں، مغرب کے ہاتھ میں ہے۔ جیٹ، ڈش انٹینا، کیبل اور انٹرنیٹ کے ذریعے روز بروز سکڑتے ہوئے فاصلوں کی دنیا میں، ہر تبدیلی ــــ وہ ٹکنالوجی کی ہو، فکر و اخلاق کی ہو، فیشن کی ہو ــــ آناً فاناً دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیل جاتی ہے۔ ہر تبدیلی کے آگے بند باندھنا بہت مشکل ہے، مگر ان کی جہت بدلی جاسکتی ہے۔ ان حالات میں زمانے کی باگ ہاتھ میں لینا اور مستقبل کی نقشہ گری کرنا ہر پہلو سے زبردست مجتہدانہ صلاحیت کا تقاضا کرتا ہے۔ ایسی مجتہدانہ صلاحیت کے بغیر نہ ایک تہذیبِ نو کی تعمیر ہو سکتی ہے، نہ امامتِ عالم حاصل ہو سکتی ہے۔

تیسرا چیلنج

یہ چیلنج عورت اور نوجوان کے حوالے سے ہے۔

ان تبدیلیوں سے دونوں سب سے بڑھ کر متاثر ہو رہے ہیں۔ عورت مستقبل کا ہراول دستہ ہے، وہی ہمارے دین کی آخری پناہ گاہ ہے، وہ ہماری اُمت کا نصف حصہ بھی ہے۔ اس کو دین کی حدود میں، معاشرے میں اس کا صحیح مقام دیے بغیر، کیا ہم صرف ایک پہیہ سے مستقبل کی منزل پر پہنچ سکتے ہیں؟

یہی معاملہ نوجوانوں کا ہے، جو فطرتاً ہر نئی چیز کو قبول کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہیں۔ جس کے بن جائیں، اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں، آسمان سے تارے نوچ لاتے ہیں، پاتال میں اُتر جاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے اُمت مسلمہ میں ۳۰ سال سے کم عمر کے نوجوان ۶۰ فی صد ہیں، جب کہ ۱۶ سال سے کم عمر بچوں کی تعداد ۵۰ فی صد ہے۔

چوتھا چیلنج

یہ چیلنج مغرب میں اسلام اور مسلمان کا ہے، مغرب کے اندر سے صلاح و خیر کی تمام ممکن قوتوں کو جمع کر کے ان کا وزن اسلام کے پلڑے میں ڈالنے کا ہے۔

مستقبل میں اسلام اور مغرب کی اصل جنگ، زمینی سرحدوں پر علاقے جیتنے سے پہلے، انسانی سرحدوں پر دل اور دماغ جیتنے کے لیے ہوگی۔ اس جنگ میں کامیابی ہی پر آنے والے معرکوں کے نتائج کا انحصار ہوگا۔ مغربی تہذیب کے اگلے مورچے عرصے سے مسلم دنیا کے قلب میں یعنی جکارتا، کراچی، ریاض سے لے کر رباط تک قائم ہیں۔ خوش آیند بات یہ ہے کہ گزشتہ نصف صدی میں اب اسلام کی آخری سرحد بھی ایک دفعہ پھر عین مغرب کے قلب میں پہنچ گئی ہے۔ مشرقی یورپ میں مسلمانوں کی بڑی آبادیاں موجود تھیں، لیکن اب لندن سے لے کر لاس اینجلز تک بھی ان کی بڑی بڑی آبادیاں وجود میں آچکی ہیں۔ کئی ممالک میں اسلام دوسرا بڑا مذہب بن گیا ہے یا بننے والا ہے۔ اسپین میں مسلمانوں کی آمد کے بعد اور پھر مشرقی یورپ میں عثمانی خلافت کے بعد، چودہ سو سال میں یہ تیسرا تاریخی لمحہ ہے، جو اسلام کو مغرب تک پہنچانے کے بھرپور امکانات کا حامل ہے۔

اگرچہ اب مسلمانوں کی پشت پر اسپین کی خیرہ کن تہذیب نہیں، عثمانیوں کی لرزہ براندام کرنے والی فوجی و بحری قوت بھی نہیں، لیکن وہ غیر مسلم سوسائٹی کی غالب اکثریت کے پڑوسی ہیں، ان کے [illegible] پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، کام کاج اور کاروبار کرتے ہیں، جو شہری ہیں وہ ووٹ بھی دیتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ وہاں اسلام کے سفیر بن کر نہیں گئے، نہ اچھے سفیر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ لیکن کوئی تصور نہ کرسکتا تھا کہ نصف صدی میں برطانیہ، امریکا اور یورپ میں بے شمار مساجد موجود ہوں گی، تعلیم قرآن کے مدارس ہوں گے، بعض مقامات پر سڑکوں پر اذان بھی سنی جاسکے گی اور بے شمار حلقوں کے انتخابات میں ان کا ووٹ فیصلہ کن بن جائے گا۔ یہ صرف مشیتِ الٰہی ہی سے ممکن ہوا ہے۔

مغربی مسلمانوں کا چیلنج

مغرب کے مسلمان اکثر باہر سے آئے ہیں، لیکن اب خود اندر سے مقامی لوگوں کے ملت اسلامیہ میں شامل ہونے کی رفتار برابر بڑھ رہی ہے۔ ان میں عام لوگ بھی ہیں اور نمایاں شخصیتیں بھی، مرد بھی ہیں اور ان سے دگنی تعداد میں عورتیں بھی (اس پروپیگنڈہ کے باوجود کہ اسلام عورت کو پست مقام دیتا ہے اور گھر اور حجاب میں قید کر دیتا ہے)۔

کیا جائے، نہ مقابلے میں غیر مطلوب شدت پیدا کی جائے۔ ہمارے اہداف ہماری نظروں میں واضح ہوں اور ہم صبر سے ان کے لیے کام کرتے رہیں، جذبات میں اِدھر اُدھر نہ نکل جائیں۔

مستقبل، اسلام کا

مستقبل یقیناً اسلام کا ہے اور ہم بلاشبہہ آج ''ایک منفرد اور غیر معمولی تاریخی لمحے کی دہلیز پر کھڑے ہیں''۔ لیکن تقدیر کے اس فیصلے نے اُمت مسلمہ اور اسلامی تحریکات کو ایک عظیم امتحان سے دوچار کر دیا ہے۔ اس لیے کہ مستقبل، من وسلویٰ کی طرح، کسی قوم کی گود میں نہیں ٹپک پڑتا۔ ارادے اور اس جدوجہد سے حاصل ہوتا ہے، جو ایمان ویقین، عزم وجزم، حکمت وتدبر، کردار وعمل اور ہمت وحوصلہ سے کی جائے۔

اس جدوجہد کے لیے قوت کا سرچشمہ اعتصام باللہ کے سوا کچھ نہیں۔ ضروری ہے کہ جدوجہد کرنے والے اپنے اندر، جتنی ممکن ہو، گہری للّٰہیت پیدا کریں، وہ جو کام کریں صرف اللہ کے لیے کریں، اُٹھتے بیٹھتے اللہ کو یاد رکھیں، ان کے دل اللہ اور رسولؐ کی محبت سے سرشار ہوں، ان کے ہر حکم پر لبیک کہیں، وہ دل وجان سے ان کے وفادار ہوں، صرف اللہ کو فاعل حقیقی اور کارساز سمجھیں اور ہر وقت اس سے ملاقات کی تیاری کرتے رہیں اور اسی کی خاطر، مسلمانوں سے محبت کریں، ان کے حقوق ملحوظ رکھیں اور آپس میں بنیان مرصوص بن جائیں۔

اتنا ہی ضروری یہ بھی ہے کہ وہ وسیع پیمانے پر اُمت مسلمہ اور ساری انسانیت کے اندر بھی گہری للّٰہیت پیدا کرنے کو اپنا کام سمجھیں۔ ان کو صحیح تعلیم دیں، ان کا تعلق اللہ کے ساتھ جوڑا جائے۔ ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت پیدا کریں۔ انھیں اطاعت الٰہی کے لیے تیار کریں۔ ان کے دلوں میں اللہ کی طرف بھاگنے کی تڑپ پیدا کریں اور جس جنت کی وسعت میں زمین وآسمان سما جائیں اسی کی طرف دوڑ بھاگ اور مسابقت کا جذبہ غالب کریں۔

جنت کے راہی

جنت اگر مطلوب ہے، تو جنت کی وسعت کے لحاظ ہی سے، دلوں میں وسعت، خیالات میں وسعت، نگاہوں میں وسعت، مقاصد میں وسعت، رویوں میں وسعت اور اللہ کے

مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی تعداد نے اہلِ مغرب کو، تہذیب و رواداری، انصاف و حریت اور انسان دوستی کے سارے نقاب چاک کر کے اصل چہرہ دکھانے پر مجبور کر دیا ہے۔ برطانوی وزیر داخلہ کا اصرار ہے کہ مسلمان، بائبل اور شیکسپیئر [م: ۱۶۱۶ء۔ برطانوی ڈراما نگار] کو بھی اپنائیں۔ فرانسیسی وزیر داخلہ، طالبات کو اسکولوں میں سر پر اسکارف باندھنے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں(۷) برطانیہ میں مسلمان طالبات کو شلوار پہننے کی اجازت دینے پر اسکولوں کے باہر مظاہرے ہوتے ہیں، مسجدوں میں سور کے سر بھی پھینکے جاتے ہیں۔ جرمنی میں مسلمانوں کو گھروں میں زندہ جلا دیا جاتا ہے۔ بوسنیا [کوسووا، چیچنیا] کا حشر بھی سامنے ہے۔

یہ ایک تاریخی موقع ہے اور اُمت مسلمہ کو اپنی اس آخری سرحد پر، جو مغرب کے قلب میں واقع ہے، دلوں اور دماغوں کے لیے برپا جنگ جیتنے، تعصب اور نفرت کی دیواریں ڈھانے اور قرآن اور نبوت کا پیغام پھیلانے کے لیے تمام ممکن اقدامات کرنے کے منصوبے بنانے چاہییں۔ اکثر لوگ اسلام سے ناواقف ہیں اور یہی تعصب و نفرت کی بڑی وجہ ہے ـــــ ان کی ناواقفیت دُور کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ذہنوں میں جو غلط تصاویر بٹھا دی گئی ہیں، ان کو صاف کرنا چاہیے۔

یہی معاملہ بھارت، چین، جاپان اور دیگر ممالک کا ہے، جہاں مسلمان بڑی تعداد میں موجود ہیں، یا جہاں اسلام سے صرف ناواقفیت ہے۔ تعصب، نفرت اور دشمنی نہیں۔ یہاں بھی اگر اسلام کا پیغام پہنچے گا، تو ممکن نہیں کہ دلوں کو مسخر نہ کرے۔

جو ممالک مسلمانوں اور اسلام سے نبرد آزما ہیں، ان کے بارے میں بہت سوچ سمجھ کر مناسب حکمت عملی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ عداوت کا دائرہ پھیلنے نہ پائے: حکومت اور ملک، حکمرانوں اور عوام کے درمیان امتیاز رکھا جائے۔ خود ان ممالک کی رائے عامہ کو اپنے حکمرانوں کے خلاف کھڑا کیا جائے۔ جب تک ہم معرکہ جیتنے کی پوزیشن میں نہ ہوں، معرکہ برپا نہ

---

(۷) جولائی ۲۰۰۲ میں جرمنی کی اعلیٰ ترین وفاقی عدالت نے سرکاری اسکولوں کی خاتون اساتذہ سے سر پر اسکارف پہننے کا اختیار سلب کر لیا۔ (اے ایف پی/نوائے وقت، ۶ جولائی ۲۰۰۲) دوسری جانب ۲۰۰۳ میں فرانس نے قانون سازی کر کے مسلم طالبات کو اسکارف لینے سے روک دیا۔

لیے زیادہ سے زیادہ لٹانے اور مٹانے میں وسعت ـــــ یہ وسعت دُنیا اور آخرت میں اپنے مقصود کے حصول کے لیے ناگزیر ہے، جدوجہد کرنے والوں میں بھی، تمام مسلمانوں میں بھی۔

آج دنیا میں ہر پانچواں آدمی مسلمان ہے۔ ہم بہترین انسانی اور مادی ذخائر کے مالک ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بہترین دل و دماغ اور صلاحیتیں بخشی ہیں، ہماری زمینیں سونا اُگلتی ہیں اور ہر قسم کی معدنیات سے مالا مال ہیں۔ تمام بری اور بحری راستے ہمارے علاقوں سے گزرتے ہیں۔ ایک دفعہ اگر اس اُمت کے جسد میں نبوت محمدیؐ کے مشن کی روح پیدا ہو جائے، تو وہ انسانیت کو اپنے لیے منتظر پائے گی۔ مگر اُمت کا حال یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام زبان پر ہے، دل اور زندگیاں ان سے وفاداری سے خالی ہیں۔ انسانیت کی غالب اکثریت نے تو یہ نام سنا ہی نہیں، یا سنا ہے تو سننے کا حق نہیں ادا ہوا ہے۔ بقول اقبال، مسلمان کا راستہ بالکل واضح ہے۔

بے خبر! تو جوہرِ آئینہ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے
قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ان شاء اللہ العزیز اس کا وعدۂ علو و استخلاف پورا ہو کر رہے گا۔

اقول قولی هذا وافوض امری الی اللّٰه

□□□